(۳۵)

سعیٔ دلِ حزیں سے اعجاز بن گئی تھی
تاثیرِ سوز لے کر اک ساز بن گئی تھی
جمہورِ ہند کی یہ آواز بن گئی تھی
مستقبلِ وطن کا یہ راز بن گئی تھی

اب کاروانِ دل کا یہ نالۂ جرس تھی
عرفانِ ہر نظر تھی، وجدانِ ہر نفس تھی

(۳۶)

اب نیک اور بد میں تفریق ہو رہی تھی
لفظ و بیان میں باہم تطبیق ہو رہی تھی
اب اک نئی زباں کی تصدیق ہو رہی تھی
اُردو کی رفتہ رفتہ تخلیق ہو رہی تھی

گجرات و بمبئی میں پھیلا فسانہ اس کا
سی، پی کی سرزمیں پر گونجا ترانہ اس کا

(۳۷)

پنجاب و سندھ میں، یہ تیغِ ہلالِ نَو تھی
سر چشمۂ دکن میں، موجِ طرب کی رَو تھی
دہلی کی انجمن میں، شمعِ سخن کی لَو تھی
شام اودھ میں آکر، صبحِ وطن کی ضَو تھی

آئی بہار میں یہ موجِ بہار بن کر
بنگال میں یہ پہنچی دل کا قرار بن کر

(۳۸)

اور اب یہی زباں ہے، اردو زباں ہماری
ہے جادۂ عمل میں، یہ کہکشاں ہماری
ہم اس کے دیدۂ دل، یہ داستاں ہماری
ہم اس کے دست و بازو یہ پاسباں ہماری

اَب یہ ہمارے دل کا سرچشمۂ یقیں ہے
خوابوں کی یہ ہمارے تعبیرِ دلنشیں ہے

(۳۹)

یہ وہ زباں ہے جس کا ہر لفظ ہے گُلِ تر
یہ ساز وہ ہے جس کے نغمے ہیں روح پرور
یہ موج وہ ہے جس میں ہے موجزن سمندر
یہ وہ شراب ہے جو کیف و سُرور بن کر

خسرؔو کے جامِ مے سے پیہم چھلک رہی ہے
ہندوستاں کی عظمت اس میں جھلک رہی ہے

(۴۰)

وہ میرؔ جس کا نغمہ مشعل فروزِ جاں ہے
جس کے شعورِ غم سے ذوقِ ادب جواں ہے
وہ جس کے خونِ دل سے رنگیں یہ داستاں ہے
اس کارواں کا اب تک وہ میرِ کارواں ہے

قائمؔ کا نغمۂ دل، بانگِ جرس ہے اب تک
مہمیزِ فکرِ تاباںؔ، موجِ نفس ہے اب تک

(۴۱)

افسونِ دردؔ داب تک سرچشمۂ طلب ہے
نیرنگِ جوشِ سوداؔ آئینۂ طرب ہے
افسانۂ عجائب رازِ طلسمِ شب ہے
باغ و بہارِ امّن ، گہوارۂ ادب ہے

جامِ نظیرؔ میں ہے، ماہِ تمام اُردو
یاں سرنوشتِ دل کا نقشِ دوام اُردو

(۴۲)

غالبؔ کے ساز میں ہے یہ جوئے بارِ نغمہ
اشکوں میں یاں رواں ہے موجِ بہارِ نغمہ
آہِ ستم کشاں ہے یاں ہمکنارِ نغمہ
ہے نالۂ حزیںؔ سے یاں اعتبارِ نغمہ

آتشؔ کے میکدے کا یہ جامِ آتشیں ہے
مومنؔ کے بتکدے کا اک پیکرِ حسیں ہے

(۴۳)

آئینہ ذوقؔ کا ہے عکسِ سخنوری ہے
مجروحؔ کی نظر میں، غم کی یہ جوہری ہے
تسکینؔ کے سخن میں، دل کی یہ مشتری ہے
انشاؔ کی انجمن میں، شیشے کی یہ پری ہے

نطق انیسؔ کیا ہے اک زندہ معجزہ ہے
ظالم حکومتوں پر خاموش تبصرہ ہے

(۴۴)

اَب تک ہے یاد ہم کو چکبستؔ کا ترانہ
طبعِ نگم۴۵ ابھی تک ہے محرمِ ''زمانہ''
شام اودھ ابھی تک کہتی ہے غائبانہ
سرشارؔ کی زباں سے ''آزاد کا فسانہ''

اکبرؔ کی شاعری کا طرزِ سخن نرالا
ڈنکے کی چوٹ پر ہے مشرق کا بول بالا

(۴۵)

حالؔی کے میکدے کا جامِ صفات اُردو
شبلؔی کی انجمن میں قندونبات اُردو
آزادؔ کے سبو میں ''آبِ حیات'' اُردو
سیّدؔ[۳۶] کے ہر نفس میں عرفانِ ذات اُردو

اقبالؔ کی نظر میں انعامِ داوری ہے
معراجِ زندگی ہے، رازِ پیمبری ہے

(۴۶)

ظلمات میں عدم[۳۷] کے، موجِ حیات کی رَو
فردوسِ یلدرم[۳۸] ہے، ذوقِ نظر کا پرتو
بزمِ سہیلؔ[۳۹] میں ہے، خورشیدِ وقت کی ضو
مجنوں کا خوابِ دلکش، تعبیرِ منزلِ نَو

آنکھوں کی یہ زباں ہے نظروں کی رگ ہے اُردو
کشکولِ چودھری[۴۰] میں نیلم کا رنگ ہے اُردو

(۴۷)

ہے داستانِ حسرتؔ، شمعِ خموش اب تک
تعبیر آرزوؔ[41] ہے، گیسوئے دوش اب تک
لغزش نیازؔ[42] کی ہے، تمہید ہوش اب تک
دنیائے سرخوشی ہے، اقلیم جوش اب تک

بزمِ فراقؔ میں ہے، سوز و گداز اُردو
خلدِ حبیبؔ[43] میں ہے، راز و نیاز اُردو

(۴۸)

ہے موج صد ''بہاراں'' پیمانۂ اثر[44] میں
گُلکاریِ روشؔ[45] ہے مشرق کے بام و در میں
مزدور کا جہاں ہے، احسانؔ[46] کی نظر میں
افسانۂ وطن ہے ساغرؔ[47] کی چشمِ تر میں

مفتوںؔ[48] کی ہر نظر ہے نشترزنِ ریاست
ہر سانس ہے حسن[49] کی گہوارۂ نظامت

(۴۹)

اب تک لئے ہوئے ہے کیفِ مئے شبانہ
سرمستئ جگر[۵۰] کا اندازِ والہانہ
وحشی[۵۱] کی ہر غزل کا ہے رنگ عارفانہ
مُلاّ[۵۲] کی شاعری میں ہر لفظ تازیانہ

ہم کیا بیاں کریں گے توصیف اس زباں کی
کیفی[۵۳] سے کوئی پوچھے تعریف اس زباں کی

(۵۰)

مانا بدل گیا ہے انداز اب سخن کا
مانا کہ اُٹھ چکا ہے تابوت علم وفن کا
مانا کہ اب نہیں ہے وہ رنگ انجمن[۵۴] کا
تقسیم ہوگیا ہے دل مادرِ وطن کا

سازش ہے اہلِ زر کی اُجڑا سہاگ اس کا
اک شعلۂ فغاں ہے جاں سوز راگ اس کا

(۵۱)

مستقبلِ وطن سے واقف مگر ہمیں ہیں
اس بحرِ زندگی کے لعل و گہُر ہمیں ہیں
ذرّات خاکِ دل کے شمس و قمر ہمیں ہیں
ہم ہیں حریفِ ظلمت، نورِ سحر ہمیں ہیں

ہم پاسبانِ اُردو، ہیں پاسباں وطن کے
ہم رازدانِ اُردو، ہیں رازداں وطن کے

(۵۲)

منزل اگر وطن ہے تو کارواں ہے اُردو
یہ شاخِ گل اگر ہے تو آشیاں ہے اُردو
یہ ہے اگر سفینہ تو بادباں ہے اُردو
ہے آسماں اگر یہ تو کہکشاں ہے اُردو

تحریک حفظِ اُردو، تحریکِ علم وفن ہے
تحریک دستخط کی، تحریکِ انجمن ہے

(۵۳)

ذوقِ حیات[۵۵] سے ہے اس انجمن کی زینت
ذاکر[۵۶] کے خونِ دل سے ہے اس چمن کی زینت
موجِ روانِ اُردو، گنگ و جمن کی زینت
تزئین لالہ و گل، سرو سمن کی زینت

احساس میں کشن[۵۷] کے، نغمہ طراز اُردو
بزمِ سرور[۵۸] میں ہے محفل کا ساز اُردو

(۵۴)

حسنِ تضاد اس کا مبہم بھی مستند بھی
وارفتۂ جنوں بھی پا بستہ خرد بھی
آغوشِ مادری بھی، گہوارۂ لحد بھی
سجدہ گہِ ازل بھی، جلوہ گہِ ابد بھی

روحِ صنم کدہ بھی، جانِ حرم بھی اُردو
سوزِ عرب بھی اُردو، سازِ عجم بھی اُردو

(۵۵)

ہندوستاں کے دل کا جذبِ نہاں ہے اُردو
اقوامِ ایشیا کا، عزمِ جواں ہے اُردو
مشرق کے ارتقا کا، حسنِ بیاں ہے اُردو
مغرب کے گلستاں کا، سروِ رواں ہے اُردو

برہا کی آگ ہے یہ، ساون کی یہ جھڑی ہے
اشکوں کا ہار ہے یہ، موتی کی یہ لڑی ہے

(۵۶)

اوجِ ہمالیہ کا، خطِّ جلیل اُردو
گنگا کی وادیوں کا، نقشِ جمیل اُردو
شانِ فرات اُردو، تقدیسِ نیل اُردو
ہر منزلِ وفا کا، ہے سنگِ میل اُردو

دجلہ کا حُسن اُردو، جمنا کا روپ اُردو
گرما کا ابرِ نیساں، سرما کی دھوپ اُردو

(۵۷)

ڈوبی ہے پریم[۵۹] رس میں اب داستانِ اُردو
بنسی ہے کرشن[۶۰] لے کی اب ترجمان اُردو
ہمّت نہ ہار جانا ، اے رہروانِ اُردو
ہے اپنی دسترس میں اب آسمانِ اُردو

تحریک اب ہماری، اوجِ شباب پر ہے
آگے قدم بڑھاؤ، منزل قریب تر ہے

(۵۸)

پروانے اس کے ہم ہیں، یہ شمعِ انجمن ہے
ہم ہیں بہار اس کی ، یہ نکہتِ چمن ہے
ہم ہیں سُرور اس کا ، یہ بادۂ سخن ہے
یہ سومناتِ دل ہے، یہ کعبۂ وطن ہے

مٹنے نہ دیں گے ہرگز نام ونشانِ اُردو
بڑھتا رہے گا یوں ہی اب کاروانِ اُردو

(۵۹)

بز دل نہیں کہ ڈر سے میدان چھوڑ دیں گے
دیوِ ستم کا پنجہ، اک پل میں موڑ دیں گے
نفرت کا ہر شکنجہ، ہم بڑھ کے توڑ دیں گے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو، الفت سے جوڑ دیں گے

اُردو ہمارا حق ہے، ثابت یہ ہم کریں گے
اس کے لئے جئیں گے، اس کے لئے مریں گے

حواشی

۱۔ آریائی تہذیب کا وہ دور جب سنسکرت زبان کی ادبی عظمتیں طبقاتی تقسیم سے دور ہو چکی تھیں اور بول چال کی مروّجہ زبانوں میں کوئی زبان بھی ایسی نہ تھی جسے ادبی زبان کا درجہ دیا جا سکتا۔

۲۔ رام چندر جی، کرشن جی، گوتم بدھ اور مہاویر سوامی کی مذہبی تحریکیں اور اس کے بعد مصلحین کا دور جس میں عوام کی زبان میں اُپدیش کی فکر شروع ہوئی اور نئے نئے اسلوب فکر اِیجاد ہوئے۔

۳۔ شیخ فرید الدین گنج شکر متوفی ۱۲۶۷ء۔

۴۔ مسعود سعد سلمانؔ فارسی کا مشہور شاعر جو لاہور میں پیدا ہوا اور تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ اس نے یہاں کی زبان میں بھی ایک دیوان لکھا تھا۔

۵۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کے والد جو شاہ راجو کے لقب سے مشہور ہیں۔

۶۔ حضرت زین الدین خلد آبادی متوفی ۷۷۱ھ۔

۷۔ خواجہ چراغ دہلوی متوفی ۱۳۵۶ء۔

۸۔ شاہ میران جی شمس العشاق بیجاپوری متوفی ۱۴۵۶ء۔
۹۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز متوفی ۱۲۲۱ء۔
۱۰۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۵ء۔
۱۱۔ مخدوم بہاء الدین برناوی۔
۱۲۔ شیخ باجن متوفی ۹۱۲ء۔
۱۳۔ شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری متوفی ۱۰۸۶ھ۔
۱۴۔ سعدیؔ دکن۔ اردو غزل کے پیشرو۔
۱۵۔ شاہ برہان الدین جانم دکنی متوفی ۱۵۸۲ء۔
۱۶۔ دکن دور کا ایک بلند پایہ ہندو شاعر۔
۱۷۔ قطب شاہی دور۔
۱۸۔ ملّا وجہیؔ مصنّف ''سب رس''۔
۱۹۔ قطب شاہی دور کے مشہور شاعر۔
۲۰۔ قطب شاہی سلاطین کے دور میں شعر و شاعری کی ترقی ہوئی۔
سلطان محمد قلی قطبؔ شاہ پہلا اردو کا صاحبِ دیوان شاعر تھا۔
۲۱۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۲۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۳۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۴۔ مثنوی علی نامہ کے مصنف۔
۲۵۔ میرن جی خدانماؔ متوفی ۱۰۷۰ھ۔

۲۶۔ ہاشمی عادل شاہی دور کے نابینا شاعر تھے جو بیجاپور میں مقیم تھے۔
۲۷۔ علی عادل شاہ کا ملک الشعر انصرتی۔
۲۸۔ گلرخ سکندر لودھی کا تخلّص تھا۔
۲۹۔ تلسی داس جو باندہ کے باشندے تھے رامائن کا بھاشا میں ترجمہ کیا۔
۳۰۔ سورداس جی کرشن جی کے ذکر سے مقبول ہوئے۔
۳۱۔ عبدالرحیم خان خاناں ہندی میں ان کا تخلّص رحیمن ہے۔
۳۲۔ ملک محمد جائسی سولہویں صدی کے مشہور شاعر مصنفِ پدماوت۔
۳۳۔ پندرہویں صدی میں گرونانک صاحب کی ''گرنتھ صاحب'' سکھوں کی مذہبی اور مقدّس کتاب ایک نئے در کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔
۳۴۔ دہلی اور دکن کے مشہور شاعروں کے نام۔
۳۵۔ منشی دیانارائن نگم رسالہ زمانہ کانپور کے ایڈیٹر۔
۳۶۔ سرسید احمد خان۔
۳۷۔ عبدالحمید عدم۔
۳۸۔ سجاد حیدر یلدرم۔
۳۹۔ اقبال سہیل۔
۴۰۔ چودھری محمد علی ردولوی مصنف کشکول۔
۴۱۔ آرزو لکھنوی۔

۴۲۔ نیازؔ فتح پوری۔
۴۳۔ حبیب احمدؔ صدیقی۔
۴۴۔ جعفر علی خاں اثرؔ مصنف ''بہاراں''۔
۴۵۔ روشنؔ صدیقی۔
۴۶۔ احسانؔ دانش۔
۴۷۔ ساغر نظامیؔ۔
۴۸۔ دیوان سنگھ مفتونؔ
۴۹۔ خواجہ حسن نظامی۔
۵۰۔ جگرؔ مرادآبادی۔
۵۱۔ کرشن سہائے وحشیؔ کانپوری۔
۵۲۔ پنڈت آنند نرائن ملاؔ۔
۵۳۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ۔
۵۴۔ انجمن ترقّی اُردو۔
۵۵۔ حیات اللہؔ انصاری۔
۵۶۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔
۵۷۔ کشن پرشاد کولؔ۔
۵۸۔ آل احمدؔ سرور۔
۵۹۔ پریم چند۔
۶۰۔ کرشن چندر۔

نظم اُردو ناطق لکھنوی

شاعر نام	:	سید ابو العلا سعید احمد
تخلّص	:	ناطق
ادبی نام	:	ناطق لکھنوی
تاریخ پیدائش	:	1878ء
مقام پیدائش	:	لکھنو
والد	:	سید محمد عبد البصیر زیدی واسطی بلگرامی
جد	:	نواب امیر الحسام (بغداد سے ہندوستان آئے اور ضلع بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے)۔
تعلیم و تربیت	:	ا۔ ادب کی تعلیم مولانا عبد الباقی مہاجر مکّی سے حاصل کی۔ ب۔ فلسفہ اور منطق سید ظہور الحسن مجتہد العصر سے سیکھا۔ ج۔ نحو مولانا اکرم اور فقہ مولانا فتح محمد سے پڑھی۔ د۔ طب کی تعلیم حکیم عبد المجید خان سے حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ

		ہوئے۔ آپ علوم ہیئت اور نجوم و جفر میں مہارت رکھتے تھے۔
شغل	:	ا۔ ابتدائی دور میں تصنیف وتالیف کوذریعۂ معاش بنایا۔
		ب۔ کئی سال تک اخبار نورالانوار کانپور اور اخبار ملک وملّت حیدرآباد کے ایڈیٹر رہے۔
		ج۔ باقی تمام عمر طبابت کرتے رہے۔
شاعری	:	ا۔ پہلے فارسی اور عربی میں شاعری کی لیکن بعد میں اُردو شعر کہنے لگے۔
		ب۔ بچپن سے شعر کہتے تھے۔
تصانیف	:	ا۔ خوشنویسی میں کمال اور خط طغرا میں ملکہ رکھتے تھے۔
		علم الانساب میں ایک شجرہ ترتیب دیا جس میں حضرت آدمؑ سے ان کے دور کے مشاہیر کے نام ترتیب سے لکھے۔
		ب۔ بستان معرفت، اسرار حقیقت، افسانہ شہر آشوب لندن اور تاریخ جنگ ہفت روزہ آپ کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔

نظم اُردو

آج سے تقریباً اسّی سال قبل حکیم سید ابو العلا سعید احمد معروف بہ ناطقؔ لکھنوی نے اُردو ادب میں مسدّس کی ہیئت میں ایک بے مثال عمدہ نظم لکھی جو ستاون (57 بند پر مشتمل ہے اور جس کو نظم اُردو کہا گیا۔ یہ نظم اُردو ادب کی منظوم تاریخ ہے۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ اس نظم سے پرستاران اُردو بے خبر تھے چنانچہ دس سال قبل راقم نے اس کے منتخب بند مختلف رسالوں، جریدوں اور اپنے مقالات کے مجموعہ "ذکر دُرباراں" میں شائع کئے جس کی پذیرائی نے پوری نظم کو ایک کتابی شکل میں پیش کرنے پر وادار کیا۔ اس شاہکار تاریخی اور ادبی نظم کی تشریح کے لئے لازم حوالے بھی حاشیہ میں پیش کئے گئے ہیں۔ مشاہیر شعر و ادب جو ناطقؔ لکھنوی کے ہم عصر تھے جن میں جناب عبدالماجد دریابادی، جناب ذاکر حسین خان، جعفر علی خاں اثرؔ، مولانا عبد اللہ عمادی، مولانا کشفی اور پروفیسر حامد اللہ افسر میرٹھی قابل ذکر ہیں۔ اس نظم اُردو پر تبصرے کئے ہیں جن کے اقتباسات یہاں پیش کئے

جاتے ہیں تا کہ مختصر مگر جامع اس نظم کا تعارف ہو سکے اگرچہ اس نظم کے ستاون ۵۷ بند خود محتاج تفسیر و تبصرہ نہیں لیکن مختلف زاویوں سے ایک عمدہ شاہکار کے وہ گوشے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں جو بعض افراد سے مخفی رہ گئے ہوں اور ہر شخص اپنی فکر و استطاعت ذہنی سے حتی المقدر مستفید ہو سکے۔

علاّمہ عبدالماجد دریابادی مقدّمہ نظم میں لکھتے ہیں۔

مشک کے تعارف کے لئے خود عطّار کا زبان کھولنا خوشبوئے مشک کی توہین کرنا ہے۔ دن کے پھیلے ہوئے اُجالے میں یہ کہنا کہ دیکھو آفتاب کیسا روشن ہے یہ تعارف آفتاب کا نہ ہوا۔ یہ در پردہ اپنی تعریف کرنی ہوئی کہ ہم چشم روشن و آفتاب شناس رکھتے ہیں۔ اچھا شعر تو وہ ہے جو آفتاب کی روشنی کی طرح خود اپنے کو منوالے۔ مسدّس ناطقؔ کی بسم اللہ سنئے۔

گفتگو ناطقؔ یہ ہے آغازِ اُردو کب ہوا
جستجو یہ ہے کہ ظاہر رازِ اُردو کب ہوا

زبان کا مسئلہ اور اس کا آغاز گفتگو سے سبحان اللہ اور پھر معاً ''ناطق'' مومن خان مومنؔ کے مقطعوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ گفتگو کے معنی محاورہ میں محض بات چیت کے نہیں ''سوال'' یا مسئلہ کے

بھی ہیں اور دوسرے مصرعہ میں ٹھیک اُسی کے وزن و مفہوم کا لفظ ''جستجو'' مناسبت لفظی کو تو لکھنو کے چند قافیہ بندوں نے بدنام کر دیا ورنہ اگر اپنے قرینے سے رہے تو اس سے بڑھ کر اور ہے کونسی صنعت؟

انجمن میں نغمہ آرا سازِ اُردو کب ہوا
سازِ بزمِ ہند ہم آوازِ اُردو کب ہوا

وہی توازن جو پہلے شعر میں تھا اس دوسرے شعر میں بھی موجود۔

ایک ہی دھن سنتے سنتے ہو گئے ہیں کان سُن
دعویٰ ایجادِ اُردو کی لگی ہے سب کو دُھن

کتنی سچی ہے تاریخ، شاعری کی شاعری
اب آگے کہنا یہ ہے کہ جسے دیکھئے ایجاد اُردو کا سہرا اپنے ہی سر باندھنا چاہتا ہے۔

دہلوی بازارِ اُردو میں خریدارِ زباں
دکھنیٔ دربارِ اُردو میں گُہر بارِ زباں

عہدِ محمودی سے ہے پنجاب سرکارِ زباں
بودھ تک پہونچے بہاری لے کے زنّارِ زباں

آ گے فیصلۂ ناطقؔ ملاحظہ ہو۔

اک مورخ کیا کہے کب اور کہاں پیدا ہوئی
ملک میں تاریخ سے پہلے زباں پیدا ہوئی

پوچھنا تاریخ سے پیدائشِ اُردو کا حال
کمسنوں سے ہے بزرگوں کی ولادت کا سوال

علاّمہ عبد اللہ عمادی سابق رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن لکھتے ہیں:

''مولانا ناطقؔ لکھنوی اپنی منظوم تاریخ اُردو میں جن سرسری اور بکھری ہوئی کہانیوں سے ترتیب تاریخ میں کامیاب ہوئے ہیں نطق انسانی کی یہ عزیز الوجود جولانی ہے متداولات میں مولانا کا تبحر کلام میں کمال ادب میں عظمت یہ سب ایسے فضل وشرف ہیں جن کی جامعیت نے اس فرد فرید کو یگانۂ زمانہ بنا رکھا ہے۔

نثر اُردو کو حسرت رہ گئی کہ نظم کو اُس کی زبان کی تاریخ کا شرف حاصل ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخ نگاری کے لئے نثر کو خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ دی جائے تاہم اُردو کی تاریخ میں نظم کو نثر پر ترجیحی تقدم ہے کہ

اس زبان میں پہلے نظم پھر نثر کی نوبت آئی۔''

سابق صدر جمہوریہ ہند شیخ الجامعہ ملّیہ دہلی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت ناطقؔ لکھنوی نے کمال کیا کہ اُردو زبان کی پونے سات سو سال کی تاریخ کو ستاونؔ بند کے ایک مسدّس میں نظم کردیا۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا اسی کو کہتے ہیں اور یہ کام ناطقؔ صاحب کا سا قادر الکلام اُستاد ہی کرسکتا ہے۔''

سابق پروفیسر رضا علی صاحب وحشتؔ۔ اسلامیہ کالج کلکتہ کہتے ہیں:

''مسدّس متضمن تاریخ اُردو منظوم ایک عجیب وغریب نظم ہے۔ کیا بہ امتیاز تحقیق اور کیا باعتبار بیاں حضرت ناطقؔ نہ فقط ایک گراں پایہ شاعر و ادیب ہیں، بلکہ ایک عدیم المثال طبیب بھی ہیں۔ اور اب اس مسدّس کو دیکھ کر یہ بھی ماننا پڑا کہ وہ ایک مستند محقق بھی ہیں۔ یہ مختصر مسدّس معلومات کا ایک خزینۂ مفید ہے۔ حواشی نے اس کو اور چار چاند لگا دیئے ہیں اور یہ مسدّس باعتبار فن، باعتبار حُسن بیان و باعتبار لطفِ

زبان، نوادر روزگار سے ہے۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ حضرت ناطقؔ ہی سے یہ کام ہوسکتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس مسدّس کی قدر، ارباب علم وفن کریں گے اور مجھے قوی امید ہے کہ تمام یونیورسٹیاں جہاں جہاں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے، اس دلکش مسدّس کو داخلِ نصاب کریں گی۔''

مستند نقاد مرزا جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی سابق وزیر مال کشمیر لکھتے ہیں:

''ناطقؔ کا جدید ترین ادبی کارنامہ ''منظوم تاریخ اُردو'' ہے۔ یہ صرف تاریخ نہیں، بلکہ فلسفۂ تاریخ ہے۔ ستاون ((57 بندوں میں اُردو نظم اور نثر کے مکمل سوانح منضبط ہیں۔ لطف یہ ہے کہ نظم خشک اور پھیکی نہیں بلکہ شاعرانہ لطافتوں اور رنگینیوں سے مالامال ہے۔ ایک ایک بند تاریخی اور لسانی نکات اور معلومات کا گلدستہ ہے پوری نظم کا تجزیہ اس کے مطالب کی ترتیب، واقعات کا سلسلہ وار تدریجی ارتقا ان امور کی سرسری وضاحت کے لئے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔''

سابق پروفیسر حامد اللہ افسر جوبلی کالج لکھنو لکھتے ہیں :

''نظم اردو'' لفظوں کے ایک جادوگر کا کارنامہ ہے، جس نے فلسفۂ تاریخ کے خشک اور روکھے پھیکے مسائل کو تخیّل کی رنگینیوں سے مالا مال کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت ناطقؔ لکھنوی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ متبحرّ عالم ہیں مستند محقق ہیں اور ان کے یہ تمام کمالات مجموعی طور پر ''نظم اردو'' میں جلوہ افگن ہیں زبان پر ناطق صاحب کو حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ اندازِ بیان اس قدر دلکش ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے، روانی کا یہ عالم ہے کہ ساری نظم سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بیان میں سادگی کا یہ عالم ہے کہ اکثر بند سہل ممتنع کا نہایت مکمل نمونہ بن گئے ہیں۔''

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جن کی نثر نگاری کا ایک عالم قائل ہے اور جن کی نثر نگاری سے متاثر ہو کر علاّمہ اقبالؔ نے کہا تھا ''اگر میں حسن نظامی کی طرح نثر لکھ سکتا تو کبھی اپنے خیالات کے اظہار کے لئے نظم کا سہارا نہ لیتا''۔ خواجہ صاحب نے اُردو نظم پر بسیط

ریویو کیا ہے جس کے چند اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

''اللہ، احمدؐ، آدمی، اُردو، آسائش، آرائش وغیرہ جو الفاظ الف سے شروع ہوتے ہیں، زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ اللہ نے زندگی پیدا کی تھی۔ احمدؐ نے زندگی کو سنوارا تھا، آدمی زندگی کے ظہور کا ذریعہ تھا، اُردو دُنیا کی مختلف بولیوں کی ترکیب سے بنی تھی۔ آسائش زندگی کا مقصد تھا، آرائش زندگی کا آئینہ تھا۔

کوئی کہے انانیت اور الم جیسے بُرے الفاظ بھی الف سے شروع ہوتے ہیں؟ جواب دوں گا وہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ پس ابو العلا کا تخلّص ناطقؔ ہے عربی زبان میں بولنے والے کو ناطقؔ کہتے ہیں انھوں نے ایسے زمانے میں اُردو کے عروج ترقی وابتداء وانتہا کی تاریخ بیان کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی جبکہ ملک ہند آزادی حاصل کرنے کی جدو جہد میں مصروف تھا۔ آزادی بھی ''اماں اُردو'' کے قدموں کی قسم، الف سے شروع ہوتی ہے اور دُنیا کی ہر زندگی کو پیاری ہے''۔

نظمِ اُردو

(۱)

گفتگو ناطق یہ ہے آغازِ اُردو کب ہوا
جستجو یہ ہے کہ ظاہر رازِ اُردو کب ہوا
انجمن میں نغمہ آرا سازِ اُردو کب ہوا
سازِ بزمِ ہند ہم آوازِ اُردو کب ہوا

ایک ہی دُھن سنتے سنتے ہو گئے ہیں کان سُن
دعویِ ایجادِ اُردو کی لگی ہے سب کو دُھن

(۲)

دہلوی بازارِ اُردو میں خریدارِ زباں
عہدِ محمودی سے ہے پنجاب[1] سرکارِ زباں
بودھ تک پہنچے بہاری[2] لے کے زنّارِ زباں
موجدوں میں ہے دکن بھی اب تو حقدارِ زباں

اک مورخ کیا کہے کب اور کہاں پیدا ہوئی
ملک میں تاریخ سے پہلے زباں پیدا ہوئی

(۳)

پوچھنا تاریخ سے پیدائشِ اُردو کا حال
کمسنوں سے ہے بزرگوں کی ولادت کا سوال
جس زباں کی آفرینش کا تجھے آئے خیال
اس کے اسباب و علل اور فلسفے کو دیکھ بھال

ملک میں اُردو زباں افواج کی بھرتی نہ تھی
یک بیک الفاظ کی بارش ہوا کرتی نہ تھی

(۴)

ہو گا جن قوموں کی فطرت میں ازل سے اتحاد
جب کبھی وہ اک جگہ ہو جائیں گی آباد و شاد
پس اگر عہدِ تمدن ان کو آ جائے گا یاد
خواہ وہ عجمی ہوں یا ترکی ہوں یا ہندی نژاد

دونوں قومیں ہم سخن ہم داستاں ہو جائیں گی
مل کے دونوں کی زبانیں یک زباں ہو جائیں گی

(۵)

ایشیا میں تھا قدامت سے تمدن کا اثر
کھیل سیّاحوں کا بحر و بر میں تھا سیر و سفر
بیچتے تھے جا کے تاجر عطر، لوبان اور اگر
اور لے جاتے تھے پنڈت ہند سے علم و ہنر

قبل ازیں روحِ مسیحا جب کہ تھی بے آب و گل
ہند کا دل زندہ تھا زندہ بھی کیسا زندہ دل

(۶)

ہند تیرہ سو برس سے مسلموں کا ہے مقام
واعظوں سوداگروں اور صوفیوں کا ہے قیام
اہلِ ہند اہلِ عرب ہیں سب کے سب ابنائے سام[3]
ہم نسب ہم جنس ہندو کیا کبھی ہوتے نہ رام

کیوں نہ پھر کھلتی زباں جب دل کے غنچے کھل گئے
تھے ہزاروں سال کے بچھڑے ہوئے گھُل مل گئے

(۷)

میل میں صبحِ عرب سے کب تھی شامِ ہند کم
مختلف ہونے پہ بھی ملتے ہیں زلف و رُخ بہم
دلربائی کو بتانِ[۴] ہند پہنچے تا حرم
ہوگئے تھے ایک مل کر کعبہ و بیت الصّنم
منسلک آپس میں تھے شیخ و برہمن اس طرح
ہم بغل ہمدوش ہو چولی سے دامن جس طرح

(۸)

جا بجا یکجا کئی قومیں کئی ذاتیں ہوئیں
دیس میں پردیس کی مقبول سوغاتیں ہوئیں
صورت و معنی کی آپس میں ملاقاتیں ہوئیں
پہلے مستعمل ہوئے اَلفاظ پھر باتیں ہوئیں
فارسی عربی کے اسما ہند میں داخل ہوئے
اور افعال و مصادر ہند کے شامل ہوئے

(۹)

بسکہ قصرِ ہند کا پہلا ہی درِ پنجاب تھا
اس لئے اُردو کا اوّل مستقر پنجاب تھا
نقطۂ مردم پے اہلِ نظر پنجاب تھا
دائرہ تھا دور تک مرکز مگر پنجاب تھا

جیسے خط رُخ کا بڑھے اَبرو کی جدول چھوڑ کر
بڑھ چلا یوں نقشِ ثانی نقشِ اوّل چھوڑ کر

(۱۰)

تخم جو الفاظ کے بوئے گئے پنجاب میں
ہر طرف بہتے پھرے وہ جنگ کے سیلاب میں
تھے قلم اس کے بھی تلواروں کے ساتھ اسباب میں
لائے قطبؒ الدین اس کو دہلیِ شاداب میں

کون ہر صوبے میں دہلی سے یہ دفتر لے گیا
ہر سپاہی اپنے ساتھ اُردو کا لشکر لے گیا

(۱۱)

اس طرح کام اس کا چلتے چلتے ہر سُو چل گیا
نقش یوں بیٹھا اَودھ میں نامِ اُردو چل گیا
تھے بہاری نرم دل خیر ان پہ قابو چل گیا
حد یہ ہے بنگال پر بھی اِس کا جادو چل گیا

آج اگر آئی اِدھر تو کل اُدھر چلتی ہوئی
اُف یہ اتنی سی زباں اور اس قدر چلتی ہوئی

(۱۲)

ہے مگر تاثیر و شیرینی جو اس کی ذات میں
علم کے صدقے میں ہے یا فقر کی خیرات میں
منہ لگایا پیشواؤں نے اِسے ہر بات میں
صوفیوں نے دی جگہ آخر کو ملفوظات میں

ان غریبوں سے ملی اکثر امیروں کو مدد
اُردوئے شاہی کو پہنچائی فقیروں نے رسد

(۱۳)

ہند کے پودوں مـیں کچھ ایران کے پیوند تھے
جوڑ اِن دونوں میں گویا نیشکر کے بند تھے
مختلف سب مذہب و تہذیب میں ہر چند تھے
پھر بھی رسم و راہِ اُلفت کے تو سب پابند تھے

صورت شیر و شکر باہم جو تھے آمیختہ
مدھ بھرے ہونٹوں سے رس ٹپکا تو وہ تھا ریختہ[۶]

(۱۴)

بات جو تھی بند بند اب دوبدو ہونے لگی
بے تکلّف بے محابا گفتگو ہونے لگی
بات میں اک بات ہو یہ آرزو ہونے لگی
قید آزادی میں ہو یہ جستجو ہونے لگی

نثر ہی کے سلسلے میں نظم کی کڑیاں بنیں
اس قدر بکھرے یہ موتی خود بخود لڑیاں بنیں

(۱۵)

اہلِ جوہر گوندھ کر اپنے نفس کے تار میں
لے گئے بھر بھر کے موتی دامن گفتار میں
دیکھ کر حضرت فریدالدین کے دربار میں
خسرؔو ملکِ سخن نے دی جگہ اشعار میں

کیوں نہ کہتے آج جب روز ازل کہتے رہے
لوگ کہتے ہیں کبیرؔ اس میں غزل کہتے رہے

(۱٦)

سنتے ہیں خسرؔو سے قبل اک شاعرِ محموؔد تھا
کام بھی اس کا مُبارک نام بھی مسعوؔد تھا
اس کا اک دیوان اُس ہندی میں بھی موجود تھا
جس کے ہندی شعر سے اُردو سخن مقصود تھا

اگلے لوگوں پر اگر پچھلوں کو شک رہ جائے گا
قیدِ گم نامی میں اُن کا نام تک رہ جائے گا

(۱۷)

کاملوں کے فیض سے اُردو بھی اب کامل ہوئی
خانقہ میں رہ کے شاہی قصر کے قابل ہوئی
مسندِ سلطان بابر کی سند حاصل ہوئی
نظم میں شامل ہوئی دیوان میں داخل ہوئی

بادشہ ہوتے رعایا کے نہ کب تک ہم سخن
کتنی مدت سے چلا آتا ہے اُردو کا چلن

(۱۸)

دستِ تغلق[۷] سے جو پلٹا پہلوئے چرخِ کُہن
بن گیا قطبِ شمالی دفعتاً قطبِ دکن
کارواں در کارواں اہلِ ادب اہلِ سخن
بڑھ گئی اُردو سفر میں رہ گیا پیچھے وطن

بہمنی[۸] و عادلی[۹] و قطبیہ[۱۰] تھے میزباں
بن گئی خود میزباں یہ رہ گئی مہماں جہاں

(۱۹)

قدرِ شاہانہ سے سرکاری ہوئی اُردو زباں
حکمِ سرکاری سے درباری ہوئی اُردو زباں
دونوں سرکاروں میں جب جاری ہوئی اُردو زباں
ملک بھر میں جاری و ساری ہوئی اُردو زباں

جو سخنور اس زمانے میں رہے شہرت نصیب
ان کے ناموں سے ہے آج اس نظم کو زینت نصیب

(۲۰)

وجہی[11] احمد امین شوقی مقیمی نصرتی
دولت و خوشنود و غواصی ایاغی رستمی
نوری و ابنِ نشاطی و حدی طبعی نورسی
سیوک و فائز لطیف اشرف ضعیفی عشرتی

ذوقی و بحری قیاسی مومن و ہاشم علی
لطفی و مرزا سراج آزاد داؤد و ولی[12]

(۲۱)

مولدِ اُردو تھا پنجاب، آگرہ مسکن بنا
پرورش دہلی میں پائی اور اودھ مامن بنا
لکھنؤ تفریح و تسکین کے لئے گلشن بنا
مال و زر گجرات میں پایا دکن مخزن بنا

سب دفینہ دفن اب مدفن کے تہ خانے میں ہے
آج تک وہ دولت آباد[۳۱] اپنے ویرانے میں ہے

(۲۲)

اس کے مسکن بھی کئی تھے نام بھی اس کے کئی
ہندی و پنجابی و ہندوستانی ہندوی
اور گجراتی زبان یا دکھنی یا دہلوی
جا کے جس صوبے میں ٹھہری اس کی سی کہنے لگی

بولیاں سب کی جداگانہ تھیں پہلے اب ہیں ایک
شرقی و غربی، شمالی و جنوبی سب ہیں ایک

(۲۳)

جب شبستانِ دکن میں بڑھ چلی شمعِ زباں
اور پہنچی حاتمے پر مثنوی کی داستاں
مثنوی پر مرثیہ پڑھنے لگے اب نوحہ خواں
سوز نے پیدا کیا جذبات سے سازِ فغاں

ضبط رہتا کب تک آخر اور کیوں رہنے لگا
حُسن اپنے عشق میں خود ہی غزل کہنے لگا

(۲۴)

حُسن نے جرأت دلائی عشق کے دفتر کھلے
عشق نے کھولی زباں تو حسن کے جوہر کھلے
منظرِ اُردو پہ جب نظّاروں کے زیور کھلے
پھر دلی جذبات کے بھی میکدے کے در کھلے

ساغرِ اُردو میں اب خطِّ جلی پیدا ہوا
میکشانِ ریختہ میں ایک ولی[۱۴] پیدا ہوا

(۲۵)

ہاں ولیؔ کے سر پہ سایہ تھا علیؑ کے نور کا
رشتۂ الہام تھا جبریلؑ سے بھی دور کا
ظرف موسیٰ کا دیا تھا حق نے دلِ منصورؒ کا
اور ادھر معمورۂ دلّی پہ عالم طور کا

ایسی معراج ایسے اعجاز ایسی امّت پا گئے
آ کے دہلی میں ولیؔ گویا نبوّت پا گئے

(۲۶)

اہلِ دہلی کو ولیؔ سے کچھ ملا حُسنِ بیاں
اہلِ دہلی سے ولیؔ کو کچھ ہوا فیضِ زباں
شاہ سَعد اللہ گلشنؔ نے کئے نکتے بیاں
ہم سخن تھے دہلوی و اکبرآبادی یہاں

ناجیؔ و مظہرؒ فقیرؔ، انجامؔ و یکرنگؔ آبروؔ
حاتمؔ و عزلتؔ فغاںؔ مضمونؔ و عاجزؔ آرزوؔ

(۲۷)

اَوّلاً اُردو تھی گویا ایک طفلِ شیر خوار
جس کو گستاخی کی پروا تھی نہ عریانی سے عار
اپنے دامن میں گلوں کے ساتھ بھر لیتی تھی خار
کہتی تھی تلوار کو ''تروار'' اور باہر ''کو بھار''

اس کے بچپن کی وہ باتیں بے محابا بے خلش
لا اُبالی وہ ادائیں اور اداؤں میں کشش

(۲۸)

ہوش پھر اس نے سنبھالا نوجوانی آ گئی
شوخی و زندہ دلی کی زندگانی آ گئی
جو زباں ہکلی تھی اس میں اب روانی آ گئی
اور تتلاتی ہوئی کو خوش بیانی آ گئی

جہل کا جو عیب تھا وہ دور اب ہونے لگا
علم اور اخلاق کا پاسِ ادب ہونے لگا

(۲۹)

حُسن پر پڑنے لگی اس کی نگاہِ انتخاب
عشق کے جذبات کا طالع ہوا اک آفتاب
شرم کی ڈالی ہوئی شوخی نے اُٹھوادی نقاب
قید کی طالب ہوئی آزادیٔ جوشِ شباب
ولولے سوداؔ کے تھے اب سلسلے زنجیر کے
چارۂ وحشت کو تھے رگ رگ میں نشتر میرؔ کے

(۳۰)

مثنوی کہہ دی حسنؔ[۱۵] نے بےنظیر و بے بدل
دردؔ نے موزوں کیئے پُر درد نالے برمحل
ذوقؔ کا شوقِ زباں دانی ہوا ضرب المثل
کعبۂ معنی بنا مومنؔ کا ہر بیت الغزل
پھیر کر غالبؔ نے رُخ سجّادۂ تخئیل کا
اک نیا میخانہ کھولا بادۂ تخئیل کا

(۳۱)

ذکر کردوں اور چند اسلافِ دہلی کا یہیں
تھی زمینِ شعر جن کی رُوکشِ چرخِ بریں
[١٦]قدرت و مائل بیان بیدار اثر تسکیں حزیں
شیفتہ ، ممنوں نصیر و سالک و تاباں یقیں

آہ وہ شاہِ ظفر وہ تاجدارِ آخری
وہ ظہیر و داغ جن سے تھی بہارِ آخری

(۳۲)

دے گئے تھے کیا سبق یہ شاعرانِ ماسبق
سب ادیبوں پر جو روشن کر گئے چودہ طبق
لیکن افسوس اب جو الٹا دورِ گردوں کا ورق
ہوگیا برباد دہلی کا وہ سب نظم و نسق

منتشر اہلِ سخن اہلِ زباں ہونے لگے
طائران خوشنوا بے آشیاں ہونے لگے

(۳۳)

خاک وخوں میں مل گیا اس طرح دہلی کا چمن
رہ گئے گُلہائے خلعت پوش بے گور وکفن
شامِ غربت سے بھی اب تاریک تھی صبحِ وطن
شمعِ کشتہ بن کے نکلے بزم آرائے سخن

کر چکا تھا رَد شجاع الدولہ[۱] کی جو آرزو
آہ وہ سوداؔ خود آیا بن بلائے لکھنؤ

(۳۴)

جب یہاں یہ لوگ آئے اور ہی کچھ رنگ تھا
دیکھ کر ہر جوہری ان جوہروں پر دنگ تھا
سادگی سے سنگ جو بے نقش زینت ننگ تھا
صیقل و مینا سے اب خورشید کا ہم سنگ تھا

جو نگیں ترشے ہوئے دہلی میں ضُو دینے لگے
لکھنؤ میں وہ کنول آئے تو لَو دینے لگے

(۳۵)

جس قدر پہلو تھے اس کے سب کے سب روشن ہوئے
رہ گئے تھے رُخ جو تاریکی میں اب روشن ہوئے
خال و خد حُسنِ لطافت کے سب روشن ہوئے
غازۂ زینت سے رُخسارِ ادب روشن ہوئے

خود نمائی کے لئے خودبینیاں پیدا ہوئیں
سادگی جاتی رہی رنگینیاں پیدا ہوئیں

(۳۶)

گو یہاں موجود تھے پہلے سے چند اہلِ کمال
مصحفیؔ کا ذکر ہے مشہور اور انشاؔ کا حال
میرؔ کو بھی کھینچ لایا قدردانی کا خیال
یہ وہی تھے میرؔ جن سے بات کرنا تھی محال

ہر کس و ناکس کی کیا قدرت کہ ہوتا ہم سخن
اپنی اُردو کے تحفظ میں تھے گویا کم سخن

(۳۷)

میرؔ پہ گذرے تھے اتنے حادثاتِ رنج وغم
تھے بجائے رُوح و دم ہر رگ میں اب درد و الم
ہر نظر اک متنِ غم تھی ہر نفس شرحِ ستم
ہر سخن اک نامہ بر تھا دردِ دل کا تازہ دم

رنگِ شوخی لائے وہ کیا شعر کے مضمون میں
جس کا دل ڈوبا ہوا ہو آپ اپنے خون میں

(۳۸)

انتزاعِ ملک پر جن کو ہوا رنج و تعب
اُن کے رنج وغم پہ بیدردوں کو ہے غیض وغضب
محفلِ ماتم سے جو بیگانہ ہے گلچین طرب
پوچھتا ہی نہیں ہنس کر وہ نالوں کا سبب

یہ وہ سمجھے ہم نشینوں سے جو ہے چھوٹا ہوا
گل ہے کیوں افسردہ اپنی شاخ سے ٹوٹا ہوا

(۳۹)

دل اسی کا جانتا ہے زخم جس کے دل میں ہے
جز تماشا ورنہ کیا بیتابیٔ بسمل میں ہے
کب وہ دیکھے نیند جس کے دیدۂ غافل میں ہے
کیا پریشانی اب اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے

آسمانِ کینہ پرور بنگئی تھی ہر زمیں
رہ گئی تھی سایہ گستر اک اَودھ کی سر زمیں

(۴۰)

الغرض اب لکھنؤ کیا تھا ادب کا اک چمن
کھل گیا گویا نیا اک دفترِ شعر و سخن
کیوں نہ کھلتا جمع تھے جب ایسے ایسے اہلِ فن
سوزؔ و انشاؔ، مصحفیؔ و میرؔ و سوداؔ و حسنؔ

ان ادیبوں کا جہاں مسکن رہے مدفن بنے
کیا عجب گر وہ ادب کا مرکز و مخزن بنے

(۴۱)

اہلِ نقد و تبصرہ نے دیکھ کر کھوٹے کھرے
سکّے سلپٹ لے کے دار الضّرب کو واپس کئے
ایسے چند الفاظ تھے معیار سے اُترے ہوئے
جائے ہی اور آئے ہی یا جا پڑے اور آورے

اس سے ثابت ہے کہ یہ داخل فصاحت میں نہیں
نج میں مستعمل ہیں تصنیف و اشاعت میں نہیں

(۴۲)

لکھنؤ میں راہ اک نکلی نئی تعلیم کی
مصحفی نے اک نظامِ خاص پر تنظیم کی
ان کے شاگردوں نے جو تنسیخ یا ترمیم کی
ملک کے ہر ناظم و ناثر نے وہ تسلیم کی

صاف ہو کر اَب زباں کے شعلے دلکش ہو گئے
جملہ منسوخات ناسخ نذرِ آتش ہو گئے

(۴۳)

موجد اپنے رنگ کے تھے شاعرانِ بے نظیر
بات میں بیباک جرأتؔ فکر میں آزاد اسیرؔ
بندشِ مضموں میں ناسخؔ اور بنوٹ میں وزیرؔ
عشق مین سرگرم آتشؔ اور جامعیت میں امیرؔ
مرثیہ کے مجتہد مرزا دبیرؔ و میر انیسؔ
اک بلاغت میں لطیف اور اک فصاحت میں نفیس

(۴۴)

تھے روانی کے مُجدّد بحرؔ اور کیفؔ وصباؔ
کیف میں تاثیر میں ہمسر تعشقؔ کا نہ تھا
فرد تھے رنگِ تغزل میں رشیدؔ باصفا
قابلِ ذکر اور بھی استاد ہیں ان کے سوا
[۱۸] رندؔ برقؔ انجمؔ حضورؔ افضلؔ قلقؔ عاشقؔ نسیمؔ
رشکؔ و جاویدؔ و جلالؔ و مظہرؔ و مہرؔ و حکیمؔ

(۴۵)

اور شہروں میں بھی تھے اہلِ سخن شہرت پذیر
کانپوری فرد و انعام اکبر آبادی نظیر
[۱۹]قدر و شاد آسی شہیدی اکبر و محسن صفیر
قائم اسمعیل و حالی و ضیا ، طاہر منیر

نظم ہوں کس طرح موتی اس قدر بکھرے ہوئے
کس سے کہیے لُٹ گئے کتنے گہر بکھرے ہوئے

(۴۶)

جب ہمارے ہاتھ سے ہندوستاں جاتا رہا
مثلِ سکّوں کے ہمارا ہر نشاں جاتا رہا
جوشِ دل جاتا رہا زورِ بیاں جاتا رہا
کم ہوا عشقِ ادب حُسنِ بیاں جاتا رہا

وہ ستارے کیا چھپے وہ رات ہی جاتی رہی
وہ سخنور کیا گئے وہ بات ہی جاتی رہی

(۴۷)

شاعری کچھ کم نہیں لیکن اثر کچھ بھی نہیں
ہے بظاہر علم باطن میں ہنر کچھ بھی نہیں
زور دار الفاظ ہیں معنی مگر کچھ بھی نہیں
چشمِ تصویر آنکھ ہے ذوقِ نظر کچھ بھی نہیں

ذکر کے قابل نہیں ناواقفوں کے تذکرے
شاعری پر کر رہے ہیں غیر شاعر تبصرے

(۴۸)

نظم تھی جن گیسوؤں کے زیر سایہ سرفراز
نثر کو بھی تھا انہیں کے سلسلہ سے فخر وناز
لکھ گئے معراجِ[۲۰] عاشق حضرتِ گیسوؒ دراز
کر گئے بندہ نوازی خواجۂ بندہ نوازؒ

وہ رسالے جو نگاہِ خلق سے محجوب ہیں
شیخ گنج العلم عین الدین سے منسوب ہیں

(۴۹)

ہے غرض نشارِ اوّل مستحق تعریف کا
جو مقدم ہو وہی حقدار ہے توصیف کا
جس کے دم سے سلسلہ جاری ہوا تصنیف کا
ترجمے کا، شرح کا، تفسیر کا، تالیف کا

شاہ میراں جی کی سب رس[۲۱] بھی ہے مرغوبِ قلوب
اور نشاط العاشقیں کلماتِ حق کی نثرِ خوب

(۵۰)

دیکھیں انگریزوں نے جب یہ معرکہ آرائیاں
دل میں سوچے گھیر لے گی ملک بھر کو یہ زباں
قلعۂ[۲۲] ولیم میں وہ کرنے لگے صف بندیاں
ہو چکا تھا زورِ نثر و نظم پہلے ہی عیاں

فوج اِنشا کی کماں انشاؔ کو اوّل دے گئی
لکھنؤ میں پہلے اُردو سے قواعد لے گئی

(۵۱)

میر مجلس نشر کا فضلی تھا دہ مجلس لکھی
چار درویشوں کی بیتی پہلے تحسین سے سنی
پھر وہی باغ و بہار آرایشِ محفل ہوئی
اک عجب افسانہ تھا نثرِ سُرورِ لکھنوی

ناثر اتنے ہوگئے اخبار ناشر ہوگئے
آخرش اُردو میں سرکاری دفاتر ہوگئے

(۵۲)

سادگی میں خوش رہی اُردو عبارت کچھ دنوں
نقشِ رنگیں نے دکھائی اپنی صنعت کچھ دنوں
فارسی عربی نے پیدا کی بلاغت کچھ دنوں
قافیہ پیمائیوں نے کی عنایت کچھ دنوں

کچھ دنوں دیکھا کہ اُردو گھٹ کے ہندی ہوگئی
ہوتے ہوتے آج کل ہندی کی چندی ہوگئی

(۵۳)

حیف اُردو سے ہی اُردو کا وطن بگڑا ہوا
شیخ کو غصّہ مزاجِ برہمن بگڑا ہوا
سنسکرت الفاظ سے ان کا سخن بگڑا ہوا
اور اِدھر قاموس سے ان کا دہن بگڑا ہوا

آج کل پینتس[۳۲] کروڑ افراد میں اُردو زباں
اس طرح ہی جس طرح بتیس دانتوں میں زباں

(۵۴)

ہاں مگر ہے رازدارانِ زمانہ کا خیال
کرتی ہے تاریخ بیمارانِ ماضی کو بحال
پہنچے دربارِ دکن میں کچھ حکیمانِ شمال
کھل گئے زخمِ زباں کے واسطے کچھ ہسپتال

نقص میں اس چارہ سازی سے کمی تو ہوگئی
صحتِ کامل نہ ہو پر زندگی تو ہوگئی

(۵۵)

اک طرف تو زندہ کرتا ہے دکن مُردہ علوم
اک طرف پنجاب میں ڈوبے ہوئے نکلے نجوم
ندویوں کے بھی تصانیفِ کثیرہ کی ہے دھوم
اور اُردو کی کمک پر ہے رسالوں کا ہجوم

عشقِ علمی کہئے یا حُسنِ تجارت مانئے
خیر جو کچھ ہو مگر یہ بھی غنیمت جانئے

(۵٦)

کچھ نہ ہونے سے تو کچھ ہونا بہرصورت ہے خوب
طبع تصنیفات سے ہوتا ہے تالیفِ قلوب
ورنہ کشتی در شمال و ناخدا اندر جنوب
یہ ستارہ ہند کا ہوجائیگا اک دن غروب

اُٹھ رہا ہے ملک کا نام و نشاں اس ملک سے
جا رہی ہے آہ یہ ملکی زبان اس ملک سے

(۵۷)

جن کے سینے میں ہے دل مٹھی میں ان کی زر نہیں
ہاتھ میں جن کے ہے زر پرُ مغز ان کا سر نہیں
جو زباں آور ہے قسمت اس کی زور آور نہیں
مالکِ گوہر ہے جو وہ صاحبِ جوہر نہیں

دونوں بے بس ہیں کسی سے کچھ نہ کہنا چاہئے
تم کو اے ناطقؔ بس اب خاموش رہنا چاہئے

حواشی

۱۔ آبِ حیات (آزاد) اُردو سے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ بولتے تھے۔ وہاں کی بولی کا نام اُردو ہوگیا۔

۲۔ نواب نصیر حسین خیالؔ بہاری نے لکھنو کے اجلاس اُردو کانفرنس میں کہا تھا بودھ مذہب کا اعلان بہار میں اُردو ہی کے ذریعہ ہوا تھا۔

۳۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے عرب آرین یورپین اور ایران وغیرہ ہیں۔

۴۔ کعبہ میں جو بُت رکھے گئے تھے ان میں بعض ہندستان سے گئے تھے۔

۵۔ سلطان قطب الدین ایبک۔

۶۔ اُردو کے کئی نام ہیں ایک نام ریختہ بھی ہے۔

۷۔ سلطان محمد تغلق۔

۸۔ جنوبی ہند کی بہمنی سلطنت۔

۹۔ جنوبی ہند کی عادل شاہی سلطنت۔

۱۰۔ جنوبی ہند کی قطب شاہی سلطنت۔

۱۱۔ شاعروں کے نام۔

۱۲۔ جنوبی ہند کا شہر جو محمد تغلق کا پایہ تخت تھا۔

۱۳۔ ولی دکنی۔

۱۴۔ شاعروں کے نام۔

۱۵۔ میر حسنؔ مصنف سحر البیان۔

۱۶۔ شاعروں کے نام۔

۱۷۔ سلطنت اودھ کے بانی۔

۱۸۔ شاعروں کے نام۔

۱۹۔ شاعروں کے نام۔

۲۰۔ ''معراج العاشقین'' جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب ہے۔

۲۱۔ ''سب رس'' یہاں غلطی سے شاہ میراں جی سے منسوب کی گئی ہے جب کہ یہ ملاّ وجہیؔ کی تصنیف ہے۔

۲۲۔ فورٹ ولیم سے اُردو کی اہم کتابیں شائع ہوئیں۔

۲۳۔ نظم کی تصنیف کے وقت ہندوستان کی آبادی پینتس کروڑ تھی۔